ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3 2024

محمد جمیل کاچو خیل کے افسانوی مجموعہ ''نوحۂ بے نام'' میں منظر نگاری

IMAGERY IN MOHAMMAD JAMEEL KACHO KHEL'S FICTIONAL COLLECTION "NAWHA E BENAM"

عبیر شاہ
بی ایس طالبہ جامعہ ملاکنڈ
سارا بی بی
بی ایس طالبہ جامعہ ملاکنڈ
ڈاکٹر صدیق اقبال
اسسٹنٹ پروفیسر جامعہ ملاکنڈ

ABSTRACT:
Just as a poem is a mirror of its culture, customs and human problems, in the same way a good and quality prose is also a complete representative of the society. In this way, both a good poem and a good prose live on even after the death of the poet and give respect to writers after death. One name in this list of writers and poets is Muhammad Jameel Kachokhel. He added myths to the modern age through his unique style His writing, whether in poetry or prose, is derived from his soil and environment. In his writing, the material problems of the common people and their intellectual structure are clearly visible. His writing is based on common habits, Customs and traditions are such a mirror in which every person of the society can see his own face. Apart from the flight of his mental and intellectual world, what he has felt in the field of national struggle and in his surroundings, he has clothed it in words through his pen. The art of imagery along with other technical accessories is at the peak in his fictions. There are excellent examples of imagery in his legendary collection "Noha e Benam" Which is the main theme of the said article.

Key words: jameel Kacho Khel, Fiction writing, imagery, culture, customs, traditions, Nawha e Benam, Myth, environment, national struggle

محمد جمیل خان کاچو خیل ضلع ملاکنڈ کے ایک تاریخی اور علمی گاؤں اَلہ ڈھنڈ ڈیری میں محمد کریم خان (اَلہ ڈھنڈ خان) کے گھر 1965ء میں پیدا ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ خان محمد کریم خان ''رانیزو'' اور ''الہ ڈھنڈ'' کے آخری خان تھے۔ اس کے بعد خانی کا سلسلہ ختم ہوا۔ محمد جمیل کا شجرۂ نسب پشتونوں کے باوا آدم قیس عبدالرشید سے جا ملتا ہے۔ وہ شاعر، نثر نگار، افسانہ نویس، اور مزاح نگار کے ساتھ ساتھ مقالہ نویس بھی ہیں۔ انھوں نے ایم اے کرنے سے پہلے شاعری کے میدان میں قدم رکھا۔

جس طرح شعر اپنے کلچر، ثقافت، رسم و رواج اور انسانی مسائل کا آئینہ دار ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح ایک اچھی اور معیاری نثر بھی سماج کی مکمل نمائندہ ہوتی ہے۔ اس طرح اچھا شعر اور اچھی نثر دونوں شاعر کی موت کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں اور ساتھ ادیب کو بھی بعد از مرگ احترام دوام بخشتے ہیں۔ ادبا اور شعرا کے اس فہرست میں ایک نام محمد جمیل کاچو خیل بھی ہیں۔

محمد جمیل خان کاچو خیل کے اب تک نو عدد کتابی مجموعے چھپ کر منظر عام پر آچکے ہیں۔ جن میں پشتو شعری ، پشتو افسانے اور اردو افسانوں کے مجموعے شامل ہیں۔ ان کی شاعری اور نثر دونوں فن اور ہنر کے تقاضوں پر پورے اترتے ہیں ۔ انھوں نے اپنی ذہنی اور فکری دنیا کے اڑان کے علاوہ قومی جدوجہد کے میدان اور اپنے اردگرد کے ماحول میں جو کچھ محسوس کیا ہے اُسے اپنے قلم کے ذریعے الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔ ان کے بارے میں افغان نژاد شاعرہ محترمہ زاہدہ مسکان خٹک کہتی ہیں:

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3 2024

''محمد جمیل خان کاچو خیل پشتو اور اردو ادب میں ایک بڑا نام ہے، جو ادبی دنیا کے آسمان پر سورج کی طرح جگمگارہا ہے''۔(1)

محمد جمیل خان کاچوخیل کی تحریر خواہ شعر میں ہو یا نثر میں، اپنی مٹی اور اپنے ماحول سے اخذ شدہ ہے۔اُن کی تحریر میں عوام الناس کے مادی مسائل اور ان کی فکری ساخت صاف نظر آ رہی ہے۔ان کی تحریر عام عادتوں، رسوم و رواج اور روایات کا ایسا آئینہ ہے جس میں سماج کے ہر انسان کو اپنا اپنا چہرہ دکھائی دیتاہے۔ان کے افسانوں میں دیگر فنی لوازمات کے ساتھ منظر نگاری کا فن عروج پر ہے۔ان کے افسانوی مجموعہ ''نوحہ بے نام ''میں منظر نگاری کی بہترین مثالیں موجود ہیں۔ذیل میں اس مجموعے کے مختلف افسانوں میں موجود منظر نگاری کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

افسانہ ''ممتا کی ماری'' میں منظر نگاری:

افسانہ ممتا کی ماری محمد جمیل خان کاچوخیل کا افسانوی مجموعہ ''نوحہ بے نام''میں موجود ایک بہترین افسانہ ہے۔اس افسانے میں انھوں نے ایک ماں کے احساسات اور جذبات کی عکاسی بھرپور طریقے سے کی ہے۔ایک ماں کے لیے ان کے بچے کیا اہمیت رکھتے ہیں اس کی منظر نگاری انھوں نے کچھ یوں کی ہے:

"وہ ندی واقعی حسین تھی۔صاف شفاف پانی، اتنا شفاف کہ جس چیز کا عکس پانی پر پڑے، وہی رنگ اپنائے۔ مخملی سبز کنارے پانی کے بوسے لیتے بید مجنوں کے جھکے ہوئے درخت۔پانی کے آئینے میں اپنے ہی حسن میں کھوئے کھوئے سے لا تعداد جنگلی پھول، دور پس منظر میں اس ندی کے آباؤاجداد بلند موتیوں اور ہیروں کا گمان ہوتا تھا۔غرض یہاں پر روح اور بدن کی ٹھنڈک کا انتظام قدرت نے بڑی فیاضی سے کر رکھا تھا۔"(1)

اس افسانے میں کاچوخیل نے ایک ندی کو خوبصورت منظر نگاری کے ساتھ پیش کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ اس ندی میں پانی اتنا صاف شفاف ہے کہ اس کو دیکھنے والا اس میں خود اپنا عکس دیکھ لیتا ہے۔اس ندی کے کنارے مخملی سبزہ بکھرا ہوا ہے۔لاتعداد جنگلی پھول پانی کے عکس میں اپنے حسن میں کھوئے ہوئے ہیں۔ندی کو دیکھنے والا اس گمان میں پڑ جاتا ہے کہ شاید یہ موتیوں اور ہیروں کا دریا بہہ رہا ہوں۔ندی کے ہاں قدرت نے روح اور بدن کی ٹھنڈک کا انتظام بڑے فیاضی سے کیا ہے۔

افسانہ ''روشنی'' میں منظر نگاری:

افسانہ ''روشنی'' بھی نوحۂ بے نام کا ایک خوب صورت افسانہ ہے۔اس افسانے میں کاچوخیل نے آدھے دن کے منظر کو خوبصورت منظر نگاری کے ساتھ پیش کیا ہے۔مثلاً وہ لکھتے ہیں:

"آدھا دن گزر چکا ہے۔سورج آسمان کے وسط میں چمک رہا ہے۔"(2)

افسانہ روشنی کی شروعات ہی مصنف نے منظر نگاری سے کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ آدھا دن گزر چکا ہے۔سورج آسمان کے وسط میں چمک رہا ہے۔"کاچوخیل نے یہاں پر فطری منظر نگاری کی ہے کیوں کہ جب سورج آسمان کے وسط کو آجاتا ہے تو آدھا دن گزر چکا ہوتا ہے۔

ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

"بیٹے! جن کے تیرے جیسے بچے ہوں ان کے نصیب میں سونا کہاں؟ باپ نے آدھ کھلی آنکھوں کے ساتھ کسل مندی سے جواب دیا۔"(3)

جمیل کی تحریروں میں سے اکثر پر انشائیے کا گمان ہوتا ہے لیکن اگر ان کے آغاز اور اختتام پر نظر ڈالی جائے تو خوب سوچ بچار کے بعد قاری اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ یہ تو بہترین افسانے ہیں۔ان کے افسانوں کا آغاز دھیما اور اختتام پر جوش ہوتا ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3 2024

افسانہ ''پگلی'' میں منظر نگاری:

افسانہ ''پگلی'' بھی اس مجموعے کا حصہ ہے۔اس افسانے میں مصنف نے زرینہ نامی لڑکی کے ذریعے ایک ماں کی شفقت کو پیش کیا ہے۔کہ کس طرح وہ کسی سخت وقت میں اپنے بچے کو بچانے کی کوشش کرتی ہے۔ماں کی فطرتی مامتا اور محبت اس افسانے کا موضوع ہے۔

''زرینہ بھاگ رہی تھی۔کسی روبوٹ کی طرح مسلسل اور تیز اس کے تمام حواس اور احساسات مر چکے تھے۔اسے یہ بھی احساس نہ تھا یہ اس کے زخم پاؤں قدم قدم پر زمین کو رنگین بنائے جا رہے ہیں اور کئی بار گرنے سے اس کے دونوں گھٹنے چھل گئے ہیں۔جس سے خون اس کی پنڈلیوں پر بہہ رہا ہے۔اسے اپنے سر کے اس گہرے زخم کی بھی پرواہ نہیں تھی۔جس سے سرخ گاڑھا گاڑھا خون اس کے خوبصورت چہرے پر مسلسل گر رہا تھا۔اسے یہ بھی خبر نہیں تھی کہ اس کے کپڑے جھاڑیوں اور پتھروں سے الجھ کر جگہ جگہ سے پھٹ چکے ہیں۔اس کا دوپٹہ اس کے سر سے نہ جانے کب گر چکا تھا۔وہ ایسی حالت میں تھی کہ عام زندگی میں اگر اس نیم برہنہ حالت میں اتنے لوگوں کی نظریں اس پر پڑتیں تو شاید وہ حیا اور صدمے سے مر جاتی۔''(4)

افسانہ پگلی کی شروعات بھی کاچو خیل نے آنکھوں کے سامنے پھر جانے والی منظر نگاری سے کی ہے۔اس افسانہ میں زرینہ ایک روبوٹ کی طرح دھماکوں سے بھاگ رہی ہوتی ہے۔اس کو یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ اس کے زخمی پاؤں قدم قدم پر زمین کو رنگین بنائے جا رہی ہے۔اس کے احساسات مر چکے تھے کیوں کہ وہ صرف اپنے بیٹوں کو بچانا چاہتی ہے۔زرینہ بھاگنے کی وجہ سے کئی بار گر بھی چکی ہے اور اس کے دونوں گھٹنے چھل گئے ہیں جس سے خون اس کی پنڈلیوں پر بہہ رہا ہے۔اس کا دوپٹہ اس کے سر سے کب کا گر چکا تھا مگر اس کو خبر ہی نہیں تھی اگر ایسی حالت میں اس پر عام زندگی میں اتنے لوگوں کی نظریں پڑتی تو وہ شاید حیا اور صدمے سے مر جاتی۔

اسی افسانے میں ایک اور جگہ وہ یوں رقم طراز ہیں:

''اس کا صرف ایک احساس زندہ تھا۔اس کے دل و دماغ پر ایک سوچ قابض تھی کہ کسے طرح اپنے بیٹے کو بچائے جو ابھی دو ماہ کا تھا۔وہ ایک پوٹلی سینے سے چمٹائے بھاگ رہی تھی۔کبھی وہ وحشت ناک نظروں سے پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتی تو اسے اپنے گھر اور گاؤں سے آگ کے شعلے اور دھواں اٹھتا نظر آتا۔اسے مسلسل دھماکے سنائی دے رہے تھے۔اس میں بعض دھماکے اتنی طاقت کے تھے جن سے اچھل اچھل کر وہ دور جا گرتی اور پھر بھاگنے لگتی—پھر کھڑی ہو جاتی پھر بھاگنے لگتی اور بھی تیز۔اس کے ساتھ آگے پیچھے اور بھی لوگ دوڑ رہے تھے مگر اس سے ان کی پہچان نہیں ہو رہی تھی۔حالاں کہ یہ لوگ اس کے اپنے تھے۔''(5)

مصنف لکھتے ہیں کہ زرینہ کے دل و دماغ پر صرف ایک ہی سوچ قابض تھی وہ یہ کہ اس کے بیٹے کو کسی طرح بچایا جائے۔زرینہ ایک پوٹلی سینے سے چمٹائے بھاگ رہی تھی جس پر وہ اپنے بیٹے کا گمان کر رہی تھی۔جب بھی وہ بھاگتے بھاگتے پیچھے وحشت ناک نظروں سے دیکھتی ہے تو اس کو اپنے گاؤں اور گھر سے آگ کے شعلے اور دھواں اٹھتا نظر آ رہا تھا۔زرینہ کو مسلسل دھماکے سنائی دے رہے تھے جس وہ اچھل اچھل کر دور جا کر گرتی۔زرینہ پھر سے کھڑی ہو جاتی اور پھر سے بھاگنے لگتی ہے۔اس کے ساتھ اور بھی لوگ بھاگ رہے تھے جس سے وہ بے خبر سی تھی۔حالاں کہ یہ لوگ اس کے اپنے تھے۔

ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

''دوائی لے کر جوں ہی دکان سے باہر نکلا ویسے ہی ایک فور وہیل گاڑی طالبان سے بھری آ پہنچی۔ان سب نے اپنے چہروں کو نقابوں میں چھپا رکھا تھا۔ان میں چند جاوید کے اپنے گاؤں والے بھی تھے۔انہوں نے جاوید کی نشان دہی اپنے کمانڈر سے کی

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3 2024

۔اسی وقت وہ پکڑا گیا۔وہ ہاتھوں میں دواؤں کی شاپر پکڑے ہکا بکا کھڑا تھا۔اس پر چاروں طرف سے کلاشنکوفیں تنی ہوئی تھیں اسے یقین کامل تھا کہ وہ اس فانی دنیا میں جتنا وقت لے کر آیا تھا وہ پورا ہو چکا ہے۔وہ بزدل نہیں تھا لیکن اس وقت اس کی جان میں دو اور جانیں اٹکی ہوئی تھیں۔اسے اپنی جان سے زیادہ رمینہ کا غم تھا۔وہ کسی طرح بھی زرمینہ کو بچانا چاہ رہا تھا ۔اس لئے وہ طالبان کے آگے گڑگڑانے لگا۔اس سے بات نہ بنی تو دکھ اور بے بسی کے شدید جزبے سے رونے لگا،اور بھی لوگ اس ہنگامے کے دوران جمع ہو گئے۔"(6)

زرمینہ کا شوہر جو دوائی لے کر دوکان سے باہر نکلنے والا ہے کہ فورو ہیل گاڑی طالبان سے بھری آ پہنچتی ہے۔ان سب نے اپنے چہرے نقابوں میں چھپا رکھے تھے۔ان میں کچھ لوگ زرمینہ کے شوہر جس کا نام جاوید تھا کے گاؤں والے بھی تھے۔وہ لوگ ہی جاوید کی نشان دہی اپنے کمانڈر سے کرتے ہیں۔جاوید دواؤں کا تھیلا ہاتھ میں لئے ہکا بکا کھڑا تھا۔وہ اسی وقت ہی پکڑا جاتا ہے۔ان پر چاروں طرف سے کلاشنکوفیں تنی ہوئی تھی۔اسے کامل یقین تھا کہ وہ جتنا وقت اس فانی دنیا میں لے آئے تھے وہ پورا ہو چکا ہے۔وہ بزدل نہیں تھا لیکن اس وقت اس کی جان میں دو اور جانیں اٹکی ہوئی تھیں۔جاوید کو اس وقت اپنی جان سے زیادہ زرمینہ کی جان کی پڑی تھی۔وہ ہر صورت زرمینہ کو بچانا چاہ رہے تھے۔زرمینہ کی جان بچانے کے لئے جب طالبان کے سامنے گڑگڑانے سے بات نہ بنی تو دکھ اور بے بسی کے شدید جزبے سے وہ رونے لگا۔ بھی بہت سے لوگ ان کو دیکھنے کے لئے جمع ہوئے۔

افسانہ "ٹوٹا ہوا بازو" میں منظر نگاری:

اس افسانے میں کاچو خیل نے دو بھائیوں کی دشمنی اور ان کے بچوں کی آپس میں محبت اور ان کی شادی کے احوال کو خوبصورت منظر نگاری کے ساتھ پیش کیا ہے۔ شادی کی رات کے منظر کو انھوں کچھ یوں پیش کیا ہے۔

"شادی کے پہلے دن پلوشہ کا سر جمال خان کے سینے پر پڑا تھا۔جمال اس کے بالوں سے کھیل رہا تھا کہ اچانک پلوشہ اٹھ بیٹھی ۔اس نے جمال خان سے سوال کیا" جمال! سچ بتاؤ مجھ سے شادی کر کے تجھے کوئی پچھتاوا یا افسوس تو نہیں، کہیں میں وہ ٹوٹا ہوا بازو تو نہیں ہوں جو مجبوراً تیری گردن میں لٹکا ہوا ہو" جمال نے اسے پکڑ کر اتنے زور سے سینے سے بھینچ لیا جیسے اسے اپنے بدن میں اتارنا چاہتا ہو۔پگلی! تجھے کیا معلوم اور شاید میں بھی نہیں جانتا کہ تم میرے لیے کیا ہو۔پلوشہ ایک بار اس سے الگ ہو گئی۔" جمال خان ہم نے شر میں خیر کے مقولے کو پڑھا اور سنا تھا مگر دیکھا نہیں تھا۔"(7)

افسانہ "ٹوٹا ہوا بازو" میں کاچو خیل نے پلوشہ اور جمال کی شادی کی رات کی خوبصورت منظر نگاری کی ہے۔وہ میاں بیوی کی سچی محبت اور عقیدت کی اصلی تصویر لفظوں میں اتارتے ہیں اور اس فن کا انھوں نے جگہ جگہ خوب صورت استعمال کی ہے۔

افسانہ "نیا سویرا" میں منظر نگاری:

افسانہ "نیا سویرا" میں مصنف نے ایک نئی صبح کی تصور کو پیش کیا ہے۔یہاں پر بھی ان کی منظر نگاری کا فن اپنے عروج پر ہے۔اس افسانے میں انھوں نے رنگون کی قوس و قزح اس انداز سے بنایا ہے کہ قاری کی نظر ایک لمحے کے لیے بھٹکتی نہیں ہے اور وہ چاہتا ہے کہ رنگوں کے اس انوکھی دنیا میں کھو یا رہے۔اس حوالے سے یہ مثال ملاحظہ ہو:

"اللہ تعالی نے زمین کے اس چھوٹے خطے کو اپنی نعمتوں سے مالا مال کر رکھا تھا۔قدرت کا ہر رنگ اپنی خوشی پوری شوخی اور دل آویزی کے ساتھ یہاں بکھرا پڑا تھا۔مگر اس میں ایک چھوٹی پہاڑی کا جواب نہیں تھا۔یہ پہاڑی اللہ تعالی کی فیاضی اور صناعی کی شاہکار تھی۔نیلم رنگ ندیاں، شیشہ رنگ چشمے، نقرئی آبشاریں، نغمہ سرا جھرنے تو تھے ہی مگر یہاں کا سارا حسن یہاں کے سرسبز رنگ میں مظہر تھا۔جدھر دیکھو سبزہ ہی سبزہ تھا۔چھوٹے چھوٹے مخملی آسمان کو چھوتے بلند قامت سدا

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3 2024

بہار درخت، دل و نظر کی طروات خوش رنگ، لاتعداد پھولوں کی معطر فضا، دماغ کے تازگی کے ضامن تھے۔ یہاں میٹھے میٹھے رسیلے پھلوں کی بہتات تھی۔ جب ان سب رنگوں میں سرمائی برف کی سفیدی بکھرتی تو سارا منظر یوں بدلا بدلا نظر آتا کہ جیسے یہ پرانے والا منظر نہ ہو۔ زرخیز ہونے کی وجہ سے یہاں خوراک کی بھی کمی نہ تھی۔"(8)

کاچو خیل نے افسانہ "نیا سویرا" کی شروعات ہی کائنات کی خوبصورتی سے کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اس چھوٹے سے خطے کو اپنی نعمتوں سے مالا مال کر کے رکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس چھوٹے سے خطے پر قدرت کا رنگ اپوری شوخی اور دل آویزی کے ساتھ یہاں بکھر اپڑا تھا۔ مگر یہاں پر ایک چھوٹی پہاڑی تھی جس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ یہ پہاڑی اللہ تعالی کی فیاضی اور صناعی کی شاہکار تھی۔ اور زیادہ زرخیزی کی وجہ سے خوراک کی بھی کمی نہ تھی۔

اس افسانے میں وہ ایک طوفان کا ذکر نہایت خوب صورتی سے کچھ یوں کرتے ہیں۔

"موسم سرما ختم ہوا اس ٹھنڈے موسم کی وجہ سے آگ محدود رہی۔ مگر جوں ہی موسم گرما شروع ہوا۔ تو ایک دن اسی پہاڑی کے باسیوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ ہوا کے تیز جھکڑ چلنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام پہاڑی آگ کی لپیٹ میں آگئی تناور درخت گرنے لگے یا پتے جلنے سے لنڈ منڈ کھڑے رہے۔ بیل بوٹے، خودرو جھاڑیاں اور گھاس سب راکھ بن گئیں۔ یہاں تک کہ بعض جگہوں پر سخت پتھریلی چٹانیں بھی اسی آتشی طوفان سے چٹخنے لگیں۔ ہر طرف چیخ و پکار مچ گئی مگر وہ بھی آگ میں دب کر رہ گئی۔"(9)

افسانہ "نوحہ بے نام" میں منظر نگاری:

اس افسانہ میں کاچو خیل نے آپریشن کے دوران ایک میجر کی کہانی بیان کی ہے۔ ایک میجر آپریشن کے دوران کس طرح اپنے فرائض انجام دیتا ہے اور اپنی زندگی وطن کے لیے کس طرح قربان کرتا ہے۔ اس کہانی کو انھوں نے کمال مہارت اور جزیات کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ دھماکوں کی آوازوں، تھکن سے چور چور جسم اور فون پر گفتگو۔ یہ تمام واقعات انھوں نے خوب صورت منظر نگاری کے ساتھ یوں بیان کیے ہیں:

"رات گئے میجر زیر اپنے بیس کیمپ میں لوٹ آیا۔ نیند، تھکن اور ذہنی دباؤ سے اس کا بدن ٹوٹ رہا تھا۔ وردی اتار کر وہ بستر پر لیٹ گیا کہ اچانک اس کے دماغ میں وہی فون والی آواز گونجنے لگی۔ اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے اس کے ارد گرد جل ترنگ بج اٹھا ہو۔ اچانک فون کا ٹیون سنائی دیا۔ اس نے جلدی سے پون اٹھایا—وہی آواز پھر سنائی دی۔ آواز سنتے ہی اس کی تھکن نیند اور ذہنی دباؤ غائب ہو گیا اور وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ کیا میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا؟ شاید مجھے رات گئے فون نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ مگر نہ جانے کیوں مجھے تب سے چین نہیں آرہا تھا جب سے میں نے فون پر آپ کے ارد گرد دھماکے اور فائرنگ سنی تھی ۔ لیکن اللہ تعالی کا شکر ہے کہ آپ خیریت سے ہیں۔ میجر زبیر خاموش تھا—اس کی دلی خواہش تھی کہ وہ بولتے رہے اور وہ سنتا رہے شاید فون کالر کے پاس کچھ کہنے کو مزید نہیں تھے لہٰذا میجر زبیر بولنے پر مجبور ہوا۔ آپ نے کیسے جانا کہ میں خیریت سے ہوں، آپ نے فون رسیو کیا تو میں جان گئی کہ آپ زندگی کی امان میں ہیں۔ اس کے ساتھ اس کی کھنکتی ہوئی ہنسی سنائی دی۔ اس لڑکی سے بات کرت ہوئے یہ مصرع اس کے ذہن میں بار بار گونج رہا تھا— جیسے ویرانے میں چھپکے سے بہار آجائے۔" (10)

مذکورہ بالا منظر نگاری سے جمیل کاچو خیل کی فنکاری کا اندازہ خوب لگایا جا سکتا ہے۔ ان کے افسانوں میں موجود منظر نگاری سے ان کے فن کو چار چاند لگ جاتے ہیں اور ان کا قاری کہانی ختم کیے بغیر رہ نہیں سکتا۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3 2024

افسانہ ''میں کس کے ہاتھ اپنا لہو تلاش کروں؟'' میں منظر نگاری:

''اس کے ہاتھ میں بڑا ڈنڈا تھا جس پر اس نے اپنی خوبصورت ٹھوڑی رکھ کر سر کو سہارا دیا۔ وہ پلک جھپکتے بغیر کسی ان دیکھی چیز کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی بکریاں بھی دوپہر تک چرنے کے بعد لیٹ کر جگالی کر رہی تھیں۔ بکریوں کا تعلق بھی شاید مویشیوں کے مزدور طبقہ سے ہے۔ جنہیں پیٹ بھرنے کے لئے میلوں سفر کی مشقت ہر روز کرنی پڑتی ہے۔ اس کا گلہ بان کتا بھی اس کے قریب بیٹھا تھا۔ بظاہر کتے کی آنکھیں بند تھیں مگر وہ آدھ کھلی آنکھوں سے بکریوں کی مسلسل نگرانی کر رہا تھا (11) ''۔

نیم وا آنکھیں، بکریوں کی قطاریں، سفر کی تکاوٹ وغیرہ کی تصویر لفظوں میں بنانا مصنف کی ذہانت اور منظر نگاری کی خوب صورت مثالیں ہیں۔ اس مجموعے میں جگہ جگہ اس قسم کی مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ مثلاً ایک دوسری جگہ وہ کچھ یوں رقم طراز ہیں:

''اس کے سامنے گھاس بھرا سبز میدان تھا۔ جس میں جگہ جگہ خودرو خوشبودار پودے اور پھول اپنی بہار دکھا رہے تھے ۔ میدان کے اختتام پر دریائے سوات ہمیشہ کی طرح لاتعداد موتی ہوا میں اچھال رہا تھا۔ اس کا نیلگوں پانی طلسمی انداز سے آنکھوں میں ٹھنڈک، دماغ میں تراوٹ اور دلوں میں جوش پیدا کر رہا تھا۔ اس کے بعد دیوار کے بلند و بالا درختوں سے ڈھکا ہوا پہاڑ تھا۔ اس پہاڑ سے دو بڑے جھرنے دور سے پانے کے نہیں بلکہ پگھلی ہوئی قلعی یا چاندی کے لگ رہے تھے۔ اور سیما بھی اچھل اچھل کر بے قراری سے دریا کے پانی میں مل رہے تھے۔ ملکہ کے پیچھے ایک بڑا سا مٹی کا تودہ نظر آ رہا تھا۔ جس کی ڈھلوانی قدرتی دیوار کو جنگلی جھاڑیوں خاص کر جنگلی انگور کی بیلوں نے چھپا رکھا تھا۔ دعاصک اس ٹیلے کے اوپر ایک کھلا میدان تھا جس پر اس کا ؤں کھیت تھے۔ کھیتوں کے بعد وہ چھوٹا سا گاؤں تھا، جس کی ٹین کی چھتیں اس سر سبز پس منظر میں کسی سبز ڈوپٹے پر لگے ستاروں کی برفیلی چوٹی۔ ان پہاڑوں کی ہر پگڈنڈی کی ساخت یہاں کے باشندوں کی پر عزم اور مشقت زندگی کی گواہ تھی۔''(12)

منظر نگاری کی اور مثال ملاحظہ ہو:

"راستہ سنسان تھا وہ ایک ایسے باغ کے قریب پہنچ گئی جہاں باڑ لگی ہوئی تھی— باڑ کے پاس ایک جوان کھڑا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پانی کی بوتل دوسرے میں روٹی اور سالن کا ٹفن تھا۔ شاید وہ اس جوان کی جانب متوجہ نہ ہوتی مگر روٹی کی خوشبو نے اسے لڑکے کی طرف متوجہ کر دیا۔ خوشبویات پر بحث کرنے والے شاید یہ نہیں جانتے کہ ایک بھوکے کے لیے روٹیوں کی خوشبو سے بڑھ کر اور کوئی خوشبو نہیں ہوتی۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ ملکہ بے تابانہ انداز میں لڑکے کی طرف لپکی۔ اس کی خوبصورت آنکھوں میں ایسی التجا تھی جس کو سمجھنے کے لیے زیادہ سمجھ کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کا ایک ہاتھ سوال کے انداز میں اٹھا ہوا تھا۔ مگر عادت نہ ہونے کی وجہ سے زبان خاموش تھی۔ جوان اسے بڑی دل چسپ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ لیکن یہ دل چسپی بڑی تیزی سے ایک اور رنگ میں تبدیل ہو گئی۔''(13)

مصنف کہتے ہیں کہ انسان کو حیوان بننے میں دیر نہیں لگتی اور وہی ہوا۔ اب اس کی آنکھوں میں ہوس کی جھلک صاف نظر آ رہی تھی۔ آخر مرد بھی تو ایک بلا ہی ہے جس کے پنجے نہ جانے کب باہر نکل آئے۔ وہ ملکہ کا ہاتھ پکڑ کر باغ کے اندر لے جانے لگا۔ وہ کسی سحر زدہ معمول کی طرح اس کے ساتھ باغ کے اندر چلی گئی۔ ملکہ کو خطرے کا

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3 2024

احساس تو تھا مگر وہ مزاحمت نہ کر سکی۔ روٹیوں کی خوشبو نے اس کے تمام حواس معطل کر دیئے تھے۔ وہ باغ کے اندر اس جگہ تک آ گئے جہاں لڑکا اسے لے جانا چاہتا تھا۔ لڑکے نے اسے روٹیاں دے دیں۔ ملکہ اس انداز سے روٹی کھا رہی تھی کہ جیسے وہ زندگی میں پہلی دفعہ کھا رہی ہو۔ اسے احساس نہیں ہو رہا تھا کہ اس کے زخمی ہونٹ سے خشک روٹی کے کھانے سے لہو رسنے لگا تھا۔ بے بسی اور جنازے کا منظر لکھتے ہوئے وہ اس افسانے میں لکھتے ہیں:

"لہو پینا تو سب نے سنا ہے مگر آج وہ روٹی کے ساتھ اپنا لہو کھا رہی تھی۔ وہ روٹی کھاتی رہی اور اسے یہ بھی احسان نہیں ہوا کہ اس کے جسم کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ اسے یہ بھی پتہ نہ چلا کہ لڑکا کب اٹھ کر بھاگ چکا ہو اور کیوں؟ بس وہ روٹی کھاتی رہی ۔اس نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ اس کا باپ جس کے ہاتھوں میں ایک شاپر میں چاول اور پانی کی بوتل ہے کب سے اس کے سر پہ کھڑا ہے۔ اس کے والد نے دور سے اسے لڑکے کے ساتھ باغ کے اندر جاتے دیکھا تھا۔ وہ دوڑ کر آیا مگر اسے بہت دیر ہو چکی تھی۔ اس عزت کا جنازہ اٹھ چکا تھا۔ وہ تو چند لمحے سکتے کے عالم میں کھڑا بیٹی کو دیکھتا رہا۔ پھر ساری تلخی، بے بسی سارے غم اور بے عزتی اس کی آنکھوں میں سمٹ آئی اور جنون کی ایک تیز لہر بن کر اس کے ہاتھوں تک پہنچ گئی۔ ان نے ملکہ کا گلہ پکڑ کر اور زور سے دبانا شروع کر دیا۔ لاشعوری طور پر نہ جانے وہ کتنے گلے دبا رہا تھا وہ اس وقت تک ملکہ کے نازک گلے کو دباتا گیا جب تک کہ ملکہ اس کے ہاتھوں میں جھول نہ گئی۔ اس کی آنکھیں پتھرا گئیں۔ وہ کھلے منہ اور پتھرائی ہوئی آنکھوں سے یہ سوال کر رہی تھی کہ کیا یہ سارا قصور میرا ہی تھا۔ جنون کی لہر جتنی تیزی اٹھتی تھی اتنی ہی سرعت سے بیٹھ گئی ۔اس نے ملکہ کا سر گود میں اٹھایا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ جب اس نے ملکہ کی پتھرائیہوئی بے نور آنکھوں اور کھلے ہوئے منہ کو بند کرنا چاہا۔۔۔ آنکھیں تو بند ہو گئیں مگر منہ بند نہ ہو سکا کیوں کہ اس میں اب بھی روٹی کا ایک بڑا نوالہ اٹکا ہوا تھا۔" (14)

افسانہ ''میں کہاں جاؤں؟'' میں منظر نگاری:

افسانہ ''میں کہاں جاؤں'' میں بھی ہر سو منظر نگاری کی خوب صورت مثالیں موجود ہیں۔ جمیل کاچو خیل کے دیگر افسانوں کی طرح اس افسانے کا زبان و بیان بھی نرالا ہے۔ جس طرح انھوں نے دیگر افسانوں میں منظر نگاری کی ہے اسی طرح اس مجموعے میں کئی مثالیں موجود ہیں۔ ہیلی کاپٹر اور توپوں کی گن گرج کی منظر نگاری انھوں نے کچھ یوں کی ہے:

"امی۔۔۔ابو۔۔۔امی۔۔۔امی۔۔۔ابو۔۔۔ایک ویران ٹوٹے پھوٹے گھر کے ایک بند کمرے سے یہ روہانسی آوازیں آ رہی تھی۔ پھر دروازہ دھڑ دھڑانے لگتا۔ پھر امی ابو کی پکار پھر رونے کی آواز، مگر اس صدا کو سننے والا کوئی نہیں تھا۔ نہ صرف اس گھر میں بلکہ سارے گاؤں میں بھی، کوئی تھا بھی تو اتنی دور کہ اس تک یہ آواز نہیں پہنچ پا رہی تھی۔ ہیلی کاپٹر کی چنگھاڑ، توپوں زور ماڑ گولوں کی گھن گرج میں اس حیف آواز کو کون سن سکتا تھا جو مسلسل اس گاؤں پر گر رہے تھے۔ آواز سے لگ رہا تھا کہ یہ دل خراز آواز کسی بچی کی ہے۔ چیخنے چلانے سے ننھی پانچ سالہ صومیہ کا کمزور گلہ جواب دے گیا۔ دوازہ پیٹتے پیٹتے س کے نرم و نازک ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ ہ دروازے کے قریب ڈھیر سی ہو گئی۔ اب وہ دروازے سے پشت لگائے بیٹھی تھی اور موٹے موٹے آنسو اس کے خوب صورت گول مٹول گالوں پر بہہ رہے تھے۔ (15)

محمد جمیل کاچو خیل کے افسانے میں دیگر فنی لوازمات کے ساتھ ان کی منظر نگاری عروج پر ہے۔ وہ اس فن کا صحیح اور بر محل استعمال پر قادر ہے۔ منظر نگاری نے جہاں ان کے فن کو جلا بخشی ہے وہاں منظر تصویر کی صورت میں آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ سونے پہ سہاگہ یہ ہے کہ وہ دو زبانوں پشتو اور اردو میں لکھتے ہیں۔ گو کہ پشتو ان کی

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3 2024

مادری زبان ہے اس لیے وہ وہاں بھی منظر نگاری سے کہانی کو لچسپ بناتے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ ان کی اردو زبان میں لکھے گئے افسانے میں بہترین منظر نگاری کی مثالیں ہر سو پھیلی ہوئی ہیں۔ان کی یہ منظر نگاری لاشعوری نہیں ہے بلکہ ان کی کمال مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

حوالہ جات:

1. محمد جمیل خان کاچو خیل، نوحہ بے نام، سلیم نواز پرنٹنگ پریس، فیصل آباد، 2020ء
2. ایضا، ص:40
3. ایضا، ص:40
4. ایضا، ص:46
5. ایضا، ص:46
6. ایضا، ص:50،51
7. ایضا، ص:65،66
8. ایضا، ص:67
9. ایضا، ص:69
10. ایضا، ص:73،74
11. ایضا، ص:80
12. ایضا، ص:80،82
13. ایضا، ص:87
14. ایضا، ص:88
15. ایضا، ص:89،90